Vol. 7 No.3 2023

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

لسانی قومیت اور "گراں" میں پوٹھوہاری قومیت کا اظہار

Linguistic Nationality and Expression of Pothohari Nationality in "Graa'n"

غفور احمد

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر صائمہ ارم

صدرِ شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Linguistic Nationality is based on language. Linguistic nationality represents a dominant use of language to make the associated culture alive. A nationality creates a distinct cultural identity based on its mythological and folk heritage, lifestyle, and rituals of joy and sorrow. This is why linguistic nationality is a cultural part of nationality. The basis of this nationality is neither on religion nor on human race. People related to linguistic nationality only base their nationality on their language. All the major languages spoken in Punjab, including Saraiki, Pothohari and Hindko, are part of the Punjabi language family. Pakistani Urdu novel can be called the treasure of other languages of Pakistan. In the Pakistani Urdu novel, Punjabi is also seen in different ways. , Saraiki, Pothohari and Rachnavi" are central dialects of the Punjab. Pothohari linguistc nation has beed presents beautifully in Tahira Iqbal's novle "Graa'n". In the novel we see all customs and rituals of Pothohari nation. Even in England a little sub-continent can be seen because of language.

Key Word: Linguistic Nationality , Culture , Identity , Pakistani Novel, Punjab, Punjabi Linguistic family , Pothohari Nation,

انسانی دنیا میں قومیت کا تصور مختلف اشتراکات پر مبنی رہا ہے۔ کہیں یہ اشتراک جینیاتی ہے اور کہیں علاقائی اور ثقافتی سطح پر دکھائی دیتا ہے۔ یہ اشتراکی وحدت کہیں مذہبی ہے اور کہیں قبائلی۔ کہیں یہ ساجھے داری نسل کی بنیاد پر ہے اور کہیں لسانی بنیادوں پر ایک قوم سامنے آتی ہے۔ پاکستان میں ان تمام مذکورہ بنیادوں پر مختلف قومیتیں پائی جاتی ہیں۔ ہر قومیت میں، ہر قسم کے افراد نظر آتے ہیں۔ قوم کی بنیاد پر دنیا میں تعصبات بھی ہیں اور اقرباپروری بھی۔ قومیت کا تصور، پورے برِ صغیر کی طرح، پاکستان میں بھی بھرپور توانائی کے ساتھ موجود ہے۔ لسانی قومیت جب لسانی قوم پرستی میں بدلتی ہے تو ایک طرف اس قومیت سے وابستہ تعصبات اور دشمنیاں جنم لیتی ہیں تو دوسری جانب دوستی کا پہلو بھی بھرپور دکھائی دیتا ہے۔

لسانی قومیت، مشترکہ زبان کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے۔ اسے ثقافتی قومیت کا اہم اور مرکزی حصّہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ قومیت اپنے اساطیری اور لوک ورثے، رہن سہن، اور خوشی و غمی کی رسومات کی بنیاد پر الگ ثقافتی شناخت بناتی ہے۔ ہر زبان کے الفاظ میں معنی و مفاہیم، اپنے اپنے ثقافتی ماحول کا حاصل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لسانی قومیت، ثقافتی قومیت کا حصّہ ہے۔ اس قومیت کی بنیاد نہ تو مذہب پر ہے اور نہ ہی انسانی نسل پر۔ لسانی قومیت سے متعلق افراد صرف اپنی زبان پر اپنی قومیت استوار رکھتے ہیں۔ دنیا میں "عرب" اور "عجم" کی اصطلاح بھی زبان کی بنیاد پر ہی بنائی گئی ہے۔ ہندوستان میں الگ وطن کے تصور کے پسِ منظر میں ایک تنازع، ہندی اور اُردو زبان کی بنا پر لسانی قومیت کا رنگ لیے ہوئے بھی تھا۔ جہاں کہیں زبان الگ ہوتی ہے وہاں ایک الگ قوم وجود میں آجاتی ہے اور اپنی زبان کی جغرافیائی حد بندی بھی کر دیتی ہے۔ قیامِ پاکستان

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کے بعد جلد ہی مشرقی پاکستان میں بنگالی نسل نے لسانی قومیت کی بنیادوں پر لسانی قوم پرستی کی وجہ سے ہی ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۲ء میں "بھاشا آندولن" کا آغاز کیا تھا۔ لسانی قومیت، اپنی الگ پہچان بنانے کے لیے، اپنی قوم کا نام اسی زبان سے منسوب کرتی ہے۔

زبان، انسانوں کے لیے ایک اہم سماجی ضرورت ہے۔ جو افراد کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ایک معاشرے میں بسنے والے لوگ، زبان کے ذریعے اپنی بات ایک دوسرے کو سمجھاتے ہیں۔ انسانوں کا فکری اظہار ان کے خیالات اور احساسات میں یکسانیت پیدا ہوتی ہے یا پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسی کوشش سے پیدا ہونے والی یکسانیت سے اور کہیں عدم یکسانیت سے ادب پیدا ہوتا ہے۔ [۱] ادب کسی قوم کے افکار کا تحریری منظر نامہ ہے۔ کسی بھی قوم کے خدوخال اس کے ادب میں، زبان کے ذریعے نمایاں ہوتے ہیں۔ ادبی اصناف میں ہی قدیم و جدید قوموں کی تہذیب، تمدن، زبان، ثقافت، طرزِ معاشرت، تاریخی حوالے، مذاہبِ عالم، عقائد، عبادات اور اس سے وابستہ رسوم وغیرہ کا اظہار ہوتا ہے۔

پاکستانی ادب کو پاکستان میں بولی جانے والی تمام زبانوں کا مشترکہ سرمایہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ پاکستانی اُردو ناول کو پاکستان کی دیگر زبانوں کا خزانہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ پاکستانی اُردو ناول میں جہاں موضوعات کی رنگارنگی نظر آتی ہے، وہیں پاکستان کے سب سے بڑے اور اہم صوبہ پنجاب کا ماحول، ثقافت اور زبان کا اظہار بھی مختلف انداز میں دکھائی دیتا ہے۔ صوبہ پنجاب میں پائی جانے والی لسانی قومیتوں میں "پنجابی، سرائیکی، پوٹھوہاری اور رچناوی" مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔ پاکستانی اُردو ناول میں یہ تمام مرکزی لسانی قومیتیں اپنے بھرپور انداز میں اپنا اظہار کرتی ہیں۔

عہدِ حاضر کی اُردو میں ہر دور اور علاقے کی زبانوں اور بولیوں کے اثرات موجود ہیں۔ اُردو نے اپنے اردگرد کے لسانی اثرات قبول بھی کیے اور ہمیشہ خود میں اس انجذاب کی گنجائش بھی رکھی ہے۔ پاکستانی اُردو ناولوں میں پنجاب کا خطہ تہذیبی، ثقافتی، تاریخی اور لسانی اعتبار سے اہمیت کا حامل رہا ہے۔ پنجاب کثیر الجہتی ثقافتوں کا مرکز ہے۔ جس میں زبان کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ زبان کسی بھی قوم کا بنیادی عنصر ہے۔ زبان کے بنیادی عنصر کے علاوہ لسانی قوم کے لیے مشترکہ جغرافیائی خطہ، ثقافت اور تاریخ کے ثانوی عناصر کا ہونا بھی ضروری ہے۔ کسی بھی لسانی قوم کی بنیاد، مذہب اور رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر جغرافیائی اور ثقافتی عناصر پر ہوتی ہے۔ لسانی قوم جس زبان پر بنیاد رکھتی ہے اسے عرفِ عام میں مادری زبان بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً پنجاب کے باشندوں کی مادری زبان پنجابی ہے۔ پنجابی زبان کو اپنی پہلی اور بنیادی زبان کے طور پر بولنے والے، مشترکہ تاریخ، علاقہ اور ثقافت رکھنے کی بنا پر ہی پنجابی قوم کہلاتے ہیں۔ انھی مشترکات کی وجہ سے لسانی قوم میں معاشرتی ہم آہنگی اور سماجی اقدار کے بہتر فروغ کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ لسانی قوم چوں کہ مذہب سے بالاتر ہوتی ہے اس لیے ایک زبان بولنے والوں میں نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو، سکھ، عیسائی اور یہودی بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پنجاب میں مسلمان پنجابی، عیسائی پنجابی، سکھ پنجابی اور ہندو پنجابی بھی رہتے ہیں۔ یہ لسانی وحدت ہی ہے جس کے باعث مختلف مذاہب کے لوگ بھی ایک دوسرے کے قریب رہتے ہیں۔

پنجاب میں بولی جانے والی تمام بڑی زبانیں، جن میں سرائیکی، پوٹھوہاری اور ہندکو شامل ہیں، پنجابی کے لسانی خاندان کا حصّہ ہیں۔ ماہرینِ لسانیات کے مطابق ہر پچیس کلو میٹر کے بعد زبان کا لہجہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ جس سے ایک ہی زبان کے کئی لہجے وجود میں آجاتے ہیں۔ پنجابی زبان کا میعاری لہجہ ماجھی ہے۔ ماجھی کے آٹھ ضمنی لہجوں میں مالوی، دوآبی، ڈوگری، پہاڑی، پوٹھوہاری، ہندکو، شاہ پوری اور جھنوچی شامل ہیں۔ ان تمام لہجوں کے مزید اکتیس (۳۱) ذیلی لہجے بھی موجود ہیں۔ (۲)

اکیسویں صدی کے پاکستانی اُردو ناول نگاروں میں طاہرہ اقبال نے کم عرصے میں، خود کو بحیثیت ایک ناول نگار منوایا ہے۔ ان کے اب تک تین ناول منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان کے ناولوں اور افسانوں میں پنجاب کی دھرتی، پنجابی ثقافت، زبان، ماحول اور فضا عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ اپنے پہلے ناول **"گراں"** میں اُنھوں نے پنجاب کی ایک اہم لسانی قوم "پوٹھوہاری" کی تہذیب اور ثقافت کو خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ جس میں پوٹھوہاری زبان، اپنے علاقے کے باسیوں کی فکر، تہذیب اور ثقافت کا عمدہ اظہار

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

یہ ہے۔ پوٹھوہاری، جسے پوٹھواری بھی کہا جاتا ہے، پنجاب کی ایک بڑی لسانی قومیت کی حیثیت رکھتی ہے۔ پنجابی کا پوٹھواری لہجہ پہاڑی پنجابی بھی کہلاتا ہے۔ "گراں" میں طاہرہ اقبال نے پوٹھواری قوم کے کرداروں کو اپنی لسانی قومیت کا نمائندہ بنا کر نہایت سلیقے سے پیش کیا ہے۔

"گراں" کو پنجاب کی لسانی قومیت کا نمائندہ ناول کہا جائے تو بے جا نہیں ہو گا۔ یہ ناول بہ یک وقت دو زبانوں کا نمائندہ ہے۔ ناول میں ہمیں اُردو زبان کے ساتھ ساتھ پوٹھوہاری پنجابی کا امتزاج نظر آتا ہے۔ مقامیت کی وجہ سے ناول میں مقامی زبان کا بڑا کردار ہے۔ کسی بھی لسانی قوم کا ثقافتی وسیلہ اظہار اس کی روز مرہ بول چال کی زبان ہوتی ہے۔ پوٹھواری لسانی قومیت کی مضبوط لسانی روایات کا اظہار کرتا ہوا ناول "گراں" ابتدا میں ہی مقامی زبان کے لوک گیت کے ذریعے اپنی لسانی قوم سے تعارف کراتا ہے۔

"سر گی نیا تاریا لو چالا
روٹھر اڈولا لوں منا
سر گی نیا تاریا۔۔ ہو شے
سر گی نیا تاریا لو چالا" (۳)

لوک گیتوں کے مقامی الفاظ اپنی معنویت میں الگ طرح کی گہرائی کے حامل ہوتے ہیں۔ ہر لسانی قوم میں ثقافتی اظہار کا ایک اہم ترین ذریعہ لوک گیت ہیں۔ ناول کے آغاز کے لوک گیت کے علاوہ بھی ہمیں اس کا اظہار ملتا ہے۔ مقامی لوک گیت، مقامی ثقافت اور روایات کے علاوہ اُس خطے کے بسنے والوں کے عقائد کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

"ڈھول سپاہیے نا راہ پی تکتی۔۔ کد مرن تے کد وچاری نی اڈیک مکے"
رکھیا باشا کھیڑے پے گی اِل ماہیا
ملے وچھوڑے کسے بہانے مِل ماہیا (۴)

ناول کا آغاز پوٹھوہار کی مقامی معاشرت کے اظہار سے ہوتا ہے۔ پہلے باب سے لے کر آخری باب تک تمام ثقافتی اظہار، مقامی پوٹھواری قوم کے لسانی استعمالات کے ذریعے کیا گیا ہے۔ مقامی زبان کی شمولیت سے پوٹھوہاری ثقافت کے خوش نما رنگ نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ ناول میں ان رنگوں کو نکھار کر سامنے لانے میں نسوانی کردار بھرپور نمائندگی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ شکیلہ جان، زرینہ جان، میرن، غزل جان، صنوبر جان، رحمت جان، تائی بختو اور فاطمہ کا کردار اپنے مکالموں کے توسط اپنی لسانی قومیت کا شان دار اظہار سامنے لاتے ہیں۔ اس حوالے سے خواتین کے مکالموں کی چند مثالیں دیکھیں:

"ساری راتیں اہین پئی (برف اور کہرا) ہو کو!" (۵)
" شکیلہ جان اُڈیک کی ہر گاڑی کو تکتی۔۔ ہائے کیوں نہ تکے، ٹھیکری منگ اے اکبر خانے نی" (۶)
"کد مُڑ سو کیڑی گڈی توں لہسو۔" (۷)
"بے چاری اڈیک میں اہین کی طرح کُھر رہی ہے۔" (۸)

مقامی زبان کا یہ رنگ صرف پاکستانی منظر نامے کا حصّہ نہیں ہے۔ مقامی زبان کی یہ آمیزش اُردو کے علاوہ انگریزی میں بھی کی گئی ہے۔ غزل جان انگلستان میں جا کر آباد ہوئی تو وہاں بھی ایک چھوٹا سا بر صغیر آباد تھا۔ اِرد گرد بسنے والے ہندوستانی لوگوں کی پنجابی بھی اسے اپنی مقامی بولی کی مانند سنائی دیتی تھی۔ مذکورہ ناول میں طاہرہ اقبال نے مقامی لہجے میں نہ صرف پوٹھواری بلکہ اُردو اور انگریزی کی ادائیگی بھی مقامی لب و لہجے میں پیش کی ہے یعنی لسانی قومیت کے نمائندہ کرداروں کی گفتگو، موقع محل کے مطابق جس بھی زبان میں ہو، اپنی مادری زبان کے لہجے میں ہی ہوا کرتی ہے۔ مثال دیکھیے:

"آلو آلا پراٹھا کھاسو"۔۔؟
"نہ بریڈ تے ایگ کھاساں"
"حرام دیو! اے سؤر دی چربی اے۔ اپنا سوہنا دیسی تے اسلامی کھا جا کھاؤ۔" (۹)

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اس کے علاوہ ناول میں بہت سے مقامی زبان کے الفاظ دیکھنے کو ملتے ہیں، مثلاً: "کوساکوسا، جھڑی، گراں، گوڑھے، ساگری، چھنی، ہٹی، چنی چولے جوگا، زنانیاں، جندر، تھوڑ، دھی دھانیاں، بھر جائی، چھلاّ کیرتی، آپوں گچھی، اُچیچا، بوہا، نِکا، چُھوڑی، گاہی، ماڑی، دندنی، جاتک، گف، رِن، مُرسی، گڈی، منڈے، بھاپاجی، ڈیلے، گاچی، سنٹھ، گشتی داپوت، جنور داجنا، لوکائی، پھرول، بھوتنی دی، ڈھڈ، چڈے، بھڑولے، کھیسے، وانڈے، انگ ساک وغیرہ۔ یہ تمام اور اس قسم کے کئی مقامی الفاظ سماجی ضرورتوں کے تحت ہر لسانی قوم میں جنم لیتے ہیں۔

تمام مقامی الفاظ جہاں اپنے علاقے کی ثقافت کا عکس ہوتے ہیں، وہاں مخصوص تاریخی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ یہ حیثیت کسی بھی لسانی قوم کی ثقافتی جہت کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ ایک لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ طاہرہ اقبال کا لسانی شعور "گراں" میں پوری طرح عیاں ہے۔ اُنھوں نے پوٹھوہاری کو قومی زبان کے پہلو بہ پہلو جگہ دے کر اسے ایک زندہ اکائی بنایا ہے۔ مقامی زبان کے ان الفاظ کے ساتھ انگریزی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جو کہ پاکستانی معاشرت کے اِس کثیر لسانی رویے کی جھلک ہے جو ملک سے باہر جا کر بھی پاکستانیوں کے ساتھ رہتا ہے۔ غزل جان، پوٹھوہاری خاندانوں کی زبان پر تمسخرانہ رویہ روا رکھتی تھی۔ انگلستان میں بھی اُسے وہی متروک الفاظ ہمسائے سے سننے کو ملنے لگے تھے جو کبھی اُس نے بی بی جان سے سنے تھے۔ وہی الفاظ غزل جان کی نسل تک آتے آتے اپنا لہجہ اور صورت بدل چکے تھے۔ غزل جان کو انگلستان میں پوٹھواری سننے کو ملی تو وہاں اس پر ہنسنے کے بجائے، اپنائیت محسوس ہوئی۔

لسانی قومیت سے خود کو جوڑ کر رکھنے والے افراد غیر ممالک میں بسنے کے باوجود اپنی لسانی شناخت کو ختم نہیں ہونے دیتے، کیوں کہ یہی لسانی شناخت ان کی جڑوں سے وابستگی قائم رکھتی ہے۔ انگلستان میں ایک طویل مدت سے بسنے والے بزرگ، ذہنی و روحانی طور پاکستان میں ہی رہتے تھے۔ انھیں معلوم ہی نہ تھا کہ پاکستان میں جینز اور شرٹ کا رواج پروان چڑھ چکا ہے۔ مقامی بولیوں اور مادری زبانوں میں اُردو، انگریزی کے کتنے الفاظ شامل ہو چکے ہیں۔ یورپی ماحول میں پوٹھوہاری لب و لہجے میں انگریزی زبان میں جب بات ہوتی تو غزل جان کو عجیب محسوس ہوتا تھا۔

> "میر پور کی پوٹھوارنیں جب انگریزی لفظوں کو پوٹھواری تلفظ میں بولتیں تو غزل جان کو لگتا وہ انگلستان میں پوٹھوار کے کسی زیادہ پسماندہ گراں میں آ گئی ہے۔ اوپر والے فلیٹ میں کڑھی کو بگھار لگاتی دادی جان پوتے کو ڈانٹیں "خبردار جو کسی گوری کو بافنڈ (بوائے فرینڈ) بنایا۔" (۱۰)

غزل جان، جو پاکستان میں رہتے ہوئے اپنی ثقافت اور زبان کا مذاق اُڑاتی تھی۔ انگلستان آ کر، ایک وقت گزرنے کے بعد اپنی ثقافت اور زبان کی اہمیت اور افادیت سمجھ گئی تھی۔ اپنے بچوں کے ساتھ وہ پوٹھواری بولتی تھی۔ وہ سمجھتے بھی تھے، لیکن بولتے نہیں تھے۔ لسانی قومیت کے تناظر میں، ماحول اور ثقافت کے زبان پر اثرات کا رنگ بھی "گراں" کا حصّہ ہے۔ غزل جان کے بچے جس ثقافتی ماحول کی پیداوار تھے۔ وہ اسی زبان کو اپنا چکے تھے، جو اُن کے اِرد گرد عام تھی۔ جب کہ اپنی لسانی قوم سے وابستگی کی خواہش غزل جان کے اندر مضبوط ہو چکی تھی۔

> "وہ کوشش کر کر تھک ہاری۔ جس زبان کو بولنے میں انھیں سہولت تھی۔ اُن کے اِرد گرد سکول میں، شاپنگ مالز میں جو با سہولت ہے وہی تو استعمال کریں گے۔ ایک یا دو افراد کی بولی کتنی مشکل ہے۔ چاہے وہ اُن کی مادری زبان ہی کیوں نہ ہو۔ گروہ کی سماج کی زبان آسان ہے چاہے وہ اُن کی ثانوی زبان ہو۔ رابطے کی زبان زیادہ اہم ہے۔" (۱۱)

ہجرت کرنے والے خاندانوں کی اگلی نسل، اکثر اپنی مادری زبان کے بجائے رابطے کی زبان سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ ایسے خاندانوں پر یورپی تہذیب اور ثقافت کے اثرات نظر آتے ہیں اور یہی رویہ تخلیق کاروں کو حقیقی کرداروں کی تخلیق کرتے وقت مدِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔ اس طرح پاکستانی اُردو ناولوں میں "گراں" لسانی قومیت کے اظہار کی عملی تفسیر بن جاتا ہے۔

طاہرہ اقبال کے ناول "گراں" میں پوٹھواری قوم اور ان کی لسانی قومیت کی مشترکہ روایات بھی پیش کی گئی ہیں۔ یہاں کی خواتین بیاہ کر برادری سے باہر نہیں جاتی تھیں اور کوئی جوان کسی عورت کو باہر سے بیاہ کر بھی نہیں لاتا تھا۔ نسل در نسل یہ روایت برقرار چلی آ رہی تھی۔ عورت کی قسمت کا فیصلہ خاندان کے بزرگ کیا کرتے تھے۔

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ایک بار جس سے منسوب ہو جاتی تھی، تا عمر اُسی کے نام کے ساتھ وابستہ رہ کر زندگی گزار دیتی تھی۔ زرینہ جان، شکیلہ جان، فاطمہ اور میرن اسی نوعیت کے کردار ہیں۔ یہاں تک کہ خود کو کسی مرد سے منسوب کرنا بھی خواتین کے لیے گالی خیال کیا جاتا تھا۔ اس علاقے کی ثقافت میں شادی بیاہ کے لیے کسی کے ساتھ نسبت ٹھہر جانا، پتھر پر لکیر کی طرح تھا۔ مقامی زبان میں اس روایت کا اظہار ملاحظہ کیجیے:

"اک واری جیہڑی منگی گئی، مرد دیکھا کہ نہ دیکھا، بس اسی نام کے لڑ لگ عمر گزاری۔ اس گراں کی وفا شعاری کے تفاخر سے عورتوں کی گردنیں تن گئیں۔" (۱۲)

شادی بیاہ سے متعلق رسومات اور روایات اپنے خطے اور وہاں کی لسانی قوم کی ثقافت کا اظہار کرتی ہیں۔ پنجاب میں شادی کا تصور جہیز اور بَری کے ساتھ جُڑا ہے۔ بَری لڑکے والوں کی جانب سے دلہن کے لیے تحفہ سمجھا جاتا ہے۔ جس میں قیمتی کپڑے، جوتے اور زیور وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ بَری کا قیمتی ہونا لڑکے والوں کی شان بڑھاتا ہے اور دلہن کی اہمیت واضح کرتا ہے۔ جہیز اور بَری اگر شان دار ہوں تو خواتین کے درمیان اُن کا تذکرہ ہمیشہ آتا رہتا ہے۔ پوٹھواری قوم کی خواتین کا زرینہ کی بَری کو یاد کرنا، ان کی رسومات کا اظہار کرتا ہے:

"ہائے زرینہ جان کی کوئی بَری بنی تھی۔ تین تولے کے مگھر، پانچ تولے کا گلوبند، دس تولے کے شیر کے منہ والے کڑے، تولے تولے کی چار چھاپیں (انگوٹھیاں)، مخمل کے تین سوٹ، زری کے دو، تین بنارسی، دو کم خواب کے، لیڈی ہملٹن کی شلواریں، دل پیاس کی قمیضیں، شنگھائی اور ساٹن کے جوڑے، چاچا خزاں سنگھ پنڈی سے سلوا کر لایا، ہائے کیا ویلا (وقت) تھا۔۔۔" (۱۳)

مذکورہ ناول کے آغاز میں تقسیم ہند کے فوراً بعد کا زمانہ دکھایا گیا ہے۔ جب پرانی تہذیب زوال کا شکار تھی۔ اُس گزرے ہوئے وقت کے حوالے سے گراں کی خواتین کا مکالمہ اسی قسم کی پرانی یادیں تازہ کرتے ہوئے، گزرے ہوئے دور کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ اپنی نئی نسل کو، ماضی کی ثقافتی و تہذیبی اعلیٰ اقدار کی جھلک دکھانا، ہر نسل کی خاصیت رہی ہے۔ اپنے عہد کے برتن، طرزِ تعمیر، رِیت رواج، لباس غرضیکہ ثقافت کا ہر پہلو اپنی خوب صورتی بیان کرتا ہے۔ متحدہ ہندوستان کی مشترکہ ثقافت اور تہذیب کی یاد خواتین کی زبانی، انھی کے لب و لہجے میں بیان کی گئی ہے:

"ہائے کیا ویلے تھے۔ ادھر ماسی کرتار کور کا چوکا نیل ملا کر چکنی مٹی کا پوچا پھیرتی۔ کانسی کے برتن مانجھ مانجھ آرسی بنا، پر چھتی پر سجاتی، چاہے تو منہ دیکھ کر سیدھی چیر نکال لو۔۔ پیتل کی گاگریں، کھیس، دریاں اور ریشم اور کھدر کی ساڑھیاں، ہائے بے چاری ہندوانیاں اور سکھنیاں گھٹے گھٹے مکانوں کے تھڑوں پر بیٹھی ساری دیہاڑی چرخہ کاتیں دونوں بانہیں سونے کے چوڑوں سے بھری ہوئیں، جی بھر کے لُٹ پڑی۔ بانہیں کان بھی خالی ہوئے، بھرے گھر خالی ہوئے۔ ہائے بیٹھے بٹھائے صدیوں کے جمے جمائے وسیب میں کیسا واہڑا و گیا (ہل چل گیا) عمروں کے سنگی ساتھ اک دوسرے کو کاٹنے وڈنے لگے ہائے ہائے ظلمی۔ ہائے ہائے لوٹی۔۔" (۱۴)

پوٹھوہاری تہذیب اور ثقافت میں خواتین کے اندازِ گفتگو سے اُن کے آپس کے تعلقات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر گزرے ہوئے یادگار اور خوب صورت دنوں سے متعلق بات کرتے ہوئے "ہائے" کہنا اُن دنوں کے گزر جانے کا افسوس ظاہر کرتا ہے۔ ہندو، سکھ اور مسلمان جب بغیر کسی تعصب کے مل جل کر ایک معاشرے کا حصّہ بنے ہوئے تھے۔ بیسویں صدی کا دور برصغیر کی جس تہذیب اور ثقافت کا امین تھا۔ اُس میں اجتماعیت کا تصور ایک طاقت ور ثقافتی پہلو تھا۔(۱۵) لسانی قومیت میں زبان کا اشتراک، قوم میں اجتماعیت کا عُنصر پیدا کر دیتا ہے۔ موجودہ عہد میں سماجی تعلقات کا یہ پہلو نایاب ہو گیا تھا۔ جس پر خواتین کو بے حد افسوس تھا۔ ان کے خیال میں ثقافتی جدت نے اس حوالے سے واضح تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ پرانے وقت کے میل جول اور ہمسائیگی کے رشتے، یک لسانی قومیت میں کس طرح مضبوط تھے اس کی پیش کش ملاحظہ کیجیے:

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"جب سے ساگری گراں میں جندر لگی تھی، پورے گاؤں کی گندم باجرے، مکی کی پسوائی کی ذمہ داری چاچا قیوم کے سپرد تھی۔ سارے گھروں کے لڑکوں کو روات سکول چھوڑنے، لانے کا ذمہ تایا امانت خان کا تھا۔ یہاں ہل بیل، گیس لالٹین، بستر، بستر بند، بیگ، بکسے، پلیٹیں گلاس، بیٹھکیں، ترپال کچھ بھی ذاتی یا نجی نہ تھا۔ سب کا اجتماعی استعمال تھا۔ آج کل قحط سالی کے دِن تھے اسی لیے ماما نذر محمد ہر گھر میں پتہ کرنے جاتے، کہیں اناج کی تھوڑ تو نہیں اور جہاں کمی نظر آتی تو ایک ایک بٹھل ہر گھر سے اُٹھا کر وہاں چھوڑ کر آتے۔ یہاں بال بچے، دھی دھانیاں، مال ڈنگر، فصل کھیت کھلیان، خوشی غمی سب سانجھے تھے۔" (۱۶)

سماجی سطح پر زندگی میں تبدیلیوں کا ایک بڑا سبب ثقافت بنتی ہے۔ انسان نے ہمیشہ اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ گھروں میں چکی سے آٹا پیسنے والی خواتین کی مشقت میں جندر کی آمد سے کمی آگئی تھی۔ اب صرف دالیں اور نمک مرچ ہی گھر کی چکی پر پستا تھا۔ تہذیب کے یہ ارتقائی مراحل، گراں میں بھی داخل ہو چکے تھے۔ شہر کا تمدن اور ثقافت گراؤں میں داخل ہونے سے یہاں کی ثقافت بھی اپنا رنگ بدلتی جا رہی تھی۔ تہذیبی و ثقافتی تبدیلیوں نے لسانی قومیت کی اجتماعیت ختم کر کے ذاتی ملکیت کا تصور پیدا کر دیا تھا۔ سانجھ ختم ہو گئی تھی۔ کسی بھی چیز کی ملکیت مشترکہ نہیں رہی تھی۔ یورپی تہذیب اور ثقافت کے عمل دخل نے دلوں میں دوریاں پیدا کرنا شروع کر دی تھیں۔

"اب اس گراں میں مشترکہ ملکیت والا نظریہ بدل گیا تھا۔ فوجی بوٹ جیکٹ، لیمپ، لالٹینیں، ٹارچ، ریڈیو، ترپال، چھتری، دیگچے، بستر، بیگ، بستر بند وغیرہ کے مشترکہ استعمال میں اب جداگانہ ملکیت والا نظریہ پیدا ہو گیا تھا۔" (۱۷)

شناخت قومی ہو، مذہبی ہو یا لسانی، اسی کے ذریعے انسان خود کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ اپنا ملک اور ثقافت چھوڑ کر دوسرے ممالک میں جا کر بسنے والوں کو اپنی شناخت کھو جانے کا ڈر پریشان رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے گھروں میں اپنی مادری زبان، رسم و رواج اور ثقافت کا بھرپور اہتمام کرتے ہیں۔ فرنگی تہذیب کا اپنے گھر میں داخلہ انھیں ذہنی طور پر مضطرب رکھتا ہے۔ اس لیے انگلستان میں بیس پچیس سال گزارنے کے باوجود انگریزی بولنا اچھا نہیں سمجھتے۔ بدیسی پکوان کے بجائے دالیں پکائی جاتی ہیں۔ پراٹھے بنتے ہیں اور بچوں کو مشرقی آداب سکھائے جاتے ہیں۔ جس عہد میں لوگ اپنا وطن چھوڑ کر جاتے ہیں، وہی زمانہ ہمیشہ اُن کے لباس اور چہرے سے جھلکتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس شناخت کی وجہ سے ہی مرنے کے بعد اپنے آبائی وطن میں دفن ہونے کی وصیت کرتے ہیں۔

برصغیر میں جب کسی عورت کا شوہر انتقال کر جائے تو اُس کی بیوگی کا اظہار ثقافتی سطح پر ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ پوٹھواری قوم میں شوہر کی وفات کے حوالے سے پائی جانے والی رسومات کا منظر، ناول میں انور خان کی جوان موت پر گراں میں کہرام مچ جانے پر دکھائی دیتا ہے۔ اُس کی نئی رویلی دلہن، سر پر گلابی شفعون کا دوپٹہ اوڑھے، کندھوں پر پشمینہ کی شال لیے ہوئے تھی۔ بین کرتی عورتوں نے روتے پیٹتے ہوئے اپنے ماتم کا رخ اُس کی جانب موڑ لیا تھا۔ زیرِ نظر ناول میں کرداروں اور مختلف مناظر کے ذریعے پوٹھواری لہجے کا اظہار نظر آتا ہے:

"ہائے کرماں سڑی! تیرا تو چیلے کپڑے، گہنے لتے کا چاؤ بھی ابھی نہ اُترا تھا۔ ہائے رنڈاپے کی چٹی چادر ڈالو سر پر، ہائے لال چوڑا توبڑہ مار کے توڑو، گلابی پر آئندہ کھول کر بال بکھیرو۔ اب ساری حیاتی نہ پہنے گی نہ سجے سنورے گی۔ عورتوں نے سونے کی چھ چوڑیاں کھینچ اُتاریں۔ کانچ کی چوڑیاں مٹھی کا دباؤ دے کر توڑیں۔۔ کانوں کے گھر (آویزے) کھینچ لیے۔ شفعون کا دوپٹہ اُتار سفید ململ کی چادر سر پر ڈالی۔ سیاہ بال آندھی سے بکھر گے۔ مٹھیاں بھر بھر چولہے کی راکھ مانگ میں اُنڈیلی۔۔"(۱۸)

سوگ اور ماتم بھی پوٹھواری قوم میں دیگر علاقوں کی نسبت زیادہ عرصہ چلتا تھا۔ یعنی ماتم کی روایت مذہب سے زیادہ لسانی اور جغرافیائی ثقافت کے مطابق اپنا اظہار کرتی ہے۔

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"پوٹھوار کے میّت بھی پہاڑی علاقوں کے جفاکش افراد کی طرح ہی پر مشقت اور طویل ہوتے ہیں۔ پورے چالیس دن پھوڑی پڑی رہی۔ ہر روز اِدھر ساگری، روات، پنڈی، گوجر خان اُدھر جہلم، چکوال، اٹک تک سے مقانیں (تعزیتیں) آتیں اور تین تین گھنٹے جم کر ماتم کیا جاتا۔" (۱۹)

"گراں" میں طاہرہ اقبال کا طرزِ بیان، جملوں کی ساخت، معنی خیزی اور منظر نگاری ان کے گہرے مشاہدے کی عمدہ مثال ہے۔ اُردو اور مخصوص لسانی گروہ کے مقامی لہجے کی آمیزش نے ناول کے متن میں خوش نمائی کا عُنصر پیدا کر دیا ہے۔ طاہرہ اقبال کے لسانی شعور کے حوالے سے بھی الطاف فاطمہ داد دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

"طاہرہ کا جو ذخیرہ الفاظ ہے مجھے تو اِنشاء کی رانی کیتکی کے بعد اِسی ڈکشن نے متاثر کیا ہے۔" (۲۰)

ڈاکٹر نازیہ پروین، ڈاکٹر صدف فاطمہ اور توشیبا سعید اپنے ایک مضمون میں طاہرہ اقبال کے ناول "گراں" کے بارے میں لکھتی ہیں:

"اس خطے کی تاریخی اور تہذیبی بازیافت میں لسانی حوالے سے لوکیل میں شیش محل بن کر سارے جغرافیائی رنگ مختلف زاویوں سے منعکس ہو کر ادب پارے کو قد آور مقام عطا کر گئے ہیں۔"(۲۱)

ناول "گراں" کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ پنجاب کی لسانی قومیت کا نمائندہ یہ ناول قدیم اور جدید پوٹھوہار کی عکاسی کرتا ہوا پوٹھواری قوم کی تہذیب کا امین ہے۔ طاہرہ اقبال نے مذکورہ ناول میں لسانی اعتبار سے معنی خیزی کا ایک جہان آباد کر دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ غلام اصغر خان، نظریہ قومیت عالمی و مقامی تناظر (لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۲۲) ص: ۷۶

۲۔ ارشد سلہری، پنجابی لسانی خاندان: آن لائن آرٹیکل، ۱۷ نومبر ۲۰۲۰

https://www.jhelumupdates.com/story/17184350/60352#

۳۔ طاہرہ اقبال، گراں، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۹)، ص: ۱۳

۴۔ ایضاً، ص: ۱۷

۵۔ ایضاً، ص: ۱۴

۶۔ ایضاً، ص: ۱۵

۷۔ ایضاً، ص: ۲۳

۸۔ ایضاً، ص: ۳۰

۹۔ ایضاً، ص: ۱۰۵

۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۰۷

Vol. 7 No.3 2023

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

۱۱۔ ایضاً، ص: ۲۲۲

۱۲۔ ایضاً، ص: ۲۶

۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۹

۱۴۔ ایضاً، ص: ۲۲

۱۵۔ کرن اسلم، اُردو ناول کا مطالعہ بشریات کے تناظر میں، مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی اُردو، (لاہور: جی سی یونیورسٹی، ۲۰۲۲۔۲۰۱۹) ص: ۲۰۹

۱۶۔ طاہرہ اقبال، گراں، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۹)، ص: ۴۳، ۴۲

۱۷۔ ایضاً، ص: ۴۷

۱۸۔ ایضاً، ص: ۴۷

۱۹۔ ایضاً، ص: 47

۲۰۔ الطاف فاطمہ "گراں" دیباچہ "انشا کی رانی" (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز ۲۰۱۹)، ص: ۸

۲۱۔ ڈاکٹر نازیہ پروین، ڈاکٹر صدف فاطمہ، توشیا سعید، "ناول گراں کی تفہیم مائخل باختن کے لسانی فلسفے کی راشنی میں "مشمولہ، سہ ماہی جہانِ تحقیق، جلد ۴، شمارہ نمبر ۲، ص: ۳۷۷